ڈاکٹر جمیل جالبی کا طریقہ ءتدوین
بحوالہ دیوان حسن شوقی

سمیرا انجم
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین دائرہ دین پناہ، مظفر گڑھ

JAMIL JALBI'S METHODOLOGY IN EDITING
WITH REFERENCE TO DIVAN E HASAN SHAUQI

Sameera Anjum
Principal Govt Degree College (W)
Daira Din Panah, Muzaffargarh

Abstract

Jamil Jalbi is a well known historiographer, critic, linguist, translator and editor. He has written history of Urdu literature in four volumes which got immense praise from critics. Jalbi has also compiled very first masnavi of Urdu namely *Kadam rao padam rao* for which he was awarded with DLit. His translation of western poets and critics greatly admired by literary circles of Urdu. Besides, he has also compiled dictionaries of Urdu as well. He has edited *Divan e Nusrati* and *Divan e Hasan Shauqi*. He has done great service to protect and promote old Urdu literature. This article is an overview of his services as a compiler.

Keywords:

اردو مدون، تدوین کا طریقہ ءکار، حسن شوقی، مثنوی، مقدمہ، میزبانی نامہ، حسن شوقی کی غزل، زبان کا مطالعہ، قواعد، تلفظ، املاءجدید اور قدیم، قدیم اردو شعراءوغیرہ

زبان وادب کی تحقیق کے حوالے سے دستاویزی تحقیق بنیادی طریقۂ کار کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ دستاویزی تحقیق میں مرکزی حیثیت متن کو حاصل ہے۔متن کے ذریعے ہی ماضی کے فکری ولسانی سرمائے کی تفہیم ممکن ہے۔قدیم متون کے سلسلے میں سب سے اہم عنصر ان کا مستند ہونا ہے۔متون کا استناد،تدوینِ متن کے اصولوں کی پیروی کر کے ہی ممکن بنایا جا سکتا ہے۔لہٰذا قدیم مخطوطات اور غیر مطبوعہ متون کی درستی، زبان وادب کی تحقیق کا بنیادی مطالبہ ہے۔اردو زبان وادب کو اس حوالے سے خوش قسمت قرار دیا جا سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے اسے ایسے مخلص اور قابل مدوّنین کی خدمات حاصل ہوئی جن کی کاوشوں سے قدیم اردو زبان وادب کا بہت سا علمی سرمایہ محفوظ ہو گیا لیکن اس کے باوجود آج بھی اردو زبان وادب کا ایک کثیر سرمایہ غیر مطبوعہ اور غیر مدوّن صورت میں موجود ہے۔

اردو تدوین کی ابتدا کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے سر سید احمد خان کی مدوّن کردہ ''آئین اکبری'' کو باقاعدہ تدوین کی پہلی کاوش قرار دیا جاتا ہے۔حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے ۱۹۲۲ء میں تذکرہ شعرائے اردو اور ۱۹۲۶ء میں نکات الشعراء اور خواجہ میر درد کے دیوان کی تدوین سے،اردو میں تدوین کی روایت کو آگے بڑھایا۔بابائے اردو مولوی عبدالحق کو اردو تدوین نگاری میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ان کے تدوینی کارناموں کی بدولت اردو شاعری کی روایت ولی سے قبل، حسن شوقی ،نصرتی اور ملا وجہی تک پہنچتی ہے۔مولوی عبدالحق نے نو تذکرے (نکات الشعراء،تذکرہ ریختہ گویاں،مخزنِ نکات ، چمنستانِ شعراء،گلِ عجائب،عقدِ ثریا، تذکرہ ہندی،ریاض الفصحا اور مخزن الشعراء) چار مثنویات (خواب وخیال ،قطبِ مشتری،گلشنِ عشق،علی نامہ) چار دیوان (خواجہ میر درد، میر عبدالحیٔ تاباں،انتخابِ کلامِ میر،انتخابِ داغ) اور قواعد کی کتاب دریائے لطافت کی تدوین شامل ہے۔(۱) مولوی عبدالحق کے علاوہ سید مسعود حسین رضوی ادیب ، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی عرشی، محی الدین قادری، عبدالقادر سروری، مجنوں گورکھ پوری، احسن مارہروی، مشفق خواجہ ،رشید حسن خان، افسر صدیق امروہوی، ڈاکٹر جمیل جالبی اہم مدوّنین میں شامل ہیں۔ان مدوّنین نے تذکرات ،مثنویات ،کلیات، دواوین اور نثری کتب سے اردو ادب کو روشناس کروایا ہے۔یہ سب کتب اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ان میں سے بہت سی ایسی کتب ہیں جو نایاب ہیں۔قدیم ادب سے عدم دلچسپی اور طبع دوّم نہ ہونے کے باعث ان مدوّن کردہ کتب تک رسائی بہت مشکل ہے۔ اردو ادب میں دکنی ادب کی بازیافت کے بارے میں ڈاکٹر محمد علی اثر لکھتے ہیں:

> ''دکنی ادب کی تلاش وتحقیق کے پہلے مرحلے کا آغاز بیسویں صدی کے ربع اوّل سے ہوتا ہے۔حکیم شمس اللہ قادری،مولوی عبدالحق، محی الدین قادری زور،عبدالقادر سروری،نصیر الدین ہاشمی،سید محمد، میر سعادت علی رضوی اور عبدالمجید صدیقی نے دکنی اردو کے ادب پاروں کی ترتیب وتدوین کی۔

قدیم ادبیات کی بازیافت کی ان اوّلین کوششوں کے نتیجے میں دکنی ادب کی جو کتابیں منظرِ عام پر لائیں ان میں تحقیق سے زیادہ مدوین کی جانب توجہ دی گئی۔'' (۲)

مزید لکھتے ہیں کہ: ''قدیم دکنی ادب پر تحقیقی کام کے دوسرے مرحلے کی ابتدا ۱۹۶۵ء میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ سے شائع ہونے والے مجلّے ''قدیم اردو'' سے ہوتی ہے۔اس مجلّے میں قدیم دکنی ادبیات کے منتخب متون کو 'تنقید متن' کے جدید اصولوں کی روشنی میں مختلف نسخوں کے تقابلی مطالعے کے بعد، صحت کے ساتھ مرتب کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی۔قدیم اردو کے ابتدائی چند شمارے آج بھی مستند نمونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس مجلّے میں مسعود حسین خان، غلام عمر خان، اکبرالدین صدیقی، سیدہ جعفر، حسینی شاہد، ابوالنصر محمد خالدی اور مبارزالدین رفعت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔'' (۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی کو تاریخ ادب اردو جلد اوّل تحریر کرتے ہوئے قدیم متون سے دلچسپی پیدا ہوئی۔اردو کا ابتدائی شعری سرمایہ انھیں تاریخ ادب کی تصنیف کے دوران دستیاب ہوا اور ابتدائی دور کے حوالے سے خصوصاً دکنی ادب کے دیوان دستیاب ہوئے تو انھوں نے اس عہد کے تین اہم شعرا کے دواوین کی تدوین کی جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- دیوانِ حسن شوقی (۱۹۷۱ء)
- دیوانِ نصرتی (۱۹۷۲ء)
- مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (۱۹۷۳ء)

دیوانِ حسن شوقی

دیوانِ حسن شوقی ۱۹۷۱ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع ہوا۔اس سے پہلے مولوی عبدالحق نے ۱۹۲۹ء میں حسن شوقی کی دو مثنویات اور تین غزلیں شائع کیں۔(۴) سخاوت مرزا نے ۱۹۵۴ء میں مزید تین غزلوں کو تلاش کر کے مدوّن کیا۔(۵) حسینی شاہد نے ۱۹۶۵ء میں پانچ غزلیں تلاش کر کے شائع کروائیں۔(۶) دیوانِ حسن شوقی کی اس قدر بازیافت کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی نے حسن شوقی کے مزید کلام کو دریافت کیا۔ بقول ڈاکٹر جالبی:

> ''قدیم ادب کا اس سے بڑا خزانہ پاکستان میں نہیں ہے اور بہت سے مخطوطات ایسے ہیں جن کی اشاعت اردو ادب کی بنیادی ترقی اور ادبی تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کو ملانے کے لیے ازبس ضروری ہے۔ دیوانِ حسن شوقی اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس میں ''فتح نامہ نظام شاہ''، ''میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ'' کے علاوہ تمیں غزلیں، جو قدیم بیاضوں میں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں، شامل ہیں۔چند غزلوں کو چھوڑ کر باقی سب چیزیں پہلی بار شائع ہو رہی ہیں۔'' (۷)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے 'دیوانِ حسن شوقی' میں حسن شوقی کے جس کلام کو جمع کیا ہے وہ مختلف بیاضوں

سے لیا گیا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان بیاضوں کی فہرست مرتب کی ہے،جس میں حسن شوقی کا کلام موجود ہے۔ انجمن کے کتب خانہء خاص میں "فتح نامہ نظام شاہ" کے دو نسخے موجود ہیں جن کا تعارف مولوی عبدالحق مرحوم نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا تھا۔اسے نسخہء اوّل قرار دیا ہے جبکہ دوسرے نسخے (نسخہء ثانی) کو ناقص قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے انھی دو نسخوں سے دیوان حسن شوقی کو ترتیب دیا ہے۔دیوان حسن شوقی '۱۹۴' صفحات پر مشتمل ہے جسے انجمن ترقی اردو کراچی نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔دیوان کا عنوان "دسویں صدی ہجری میں اردو شاعری کی روایت کا سراغ دیوان حسن شوقی" بہت بامعنی ہے۔اس کی وضاحت ڈاکٹر وحید قریشی اس طرح کرتے ہیں:

"جالبی صاحب ولی کو دکنی روایت سے الگ کر کے دیکھنے کے قائل نہیں۔انھوں نے نصرتی سے لے کر ولی تک کی دکنی شاعری میں،جس طرح فارسی روایت کے انجذاب کا عمل ہوتا رہا ہے، اس کا سراغ لگا کر ادبی روایت کے تسلسل کی نشاندہی کی ہے۔اس اعتبار سے وہ حسن شوقی کے کلام کو ایسا "درمیانی پل" قرار دیتے ہیں جس کے بغیر روایت تک نہیں پہنچایا جاسکتا۔"(۸)

"دیوان حسن شوقی" کے ابتدائی ۴۸ صفحات پر محققانہ مقدمہ موجود ہے،جس میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے مختصراً 'میزبانی نامہ' اور 'فتح نامہ نظام شاہ' کے قصے کو بیان کیا ہے۔مقدمے میں حسن شوقی کے کلام کی خوبیوں کا جائزہ بھی لیا ہے۔۱۰۷ صفحات پر دو مثنویوں "فتح نامہ نظام شاہ" اور مثنوی میزبانی نامہ" تیں غزلیات اور ایک طویل نظم کا متن دیا گیا ہے۔قدیم دکنی زبان کی تفہیم میں آسانی کے لیے آخر میں فرہنگ دی گئی ہے۔

"فتح نامہ نظام شاہ" کے تفصیلی مقدمے میں داخلی شواہد کی بنیاد پر ڈاکٹر جمیل جالبی نسخہء اول اور نسخہء ثانی کے متن سے الحاقی اشعار سے متعلق مولوی عبدالحق کے خیالات سے اختلاف کیا ہے(۹) اور نسخہء ثانی کو دیوان کی تدوین میں اہم قرار دیا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق "دلچسپ بات یہ ہے کہ نسخہء اوّل "فتح نامہ" کے دستور العمل کے خلاف میدان جنگ اور فتح کے فوراً بعد کے حالات اور بغیر دعائیہ کلمات کے بے ربطی سے ختم ہوجاتا ہے لیکن نسخہء ثانی میں وہ مضمون جو نسخہء اوّل میں اٹھایا گیا ہے آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے اور مثنوی باقاعدہ طور پر دعائیہ کلمات پر ختم ہوتی ہے۔میدان جنگ میں کیا قیامت برپا ہوئی اس کی تفصیل نسخہء اوّل میں نہیں ہے لیکن نسخہء ثانی میں موجود ہے۔دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نسخوں کے درمیان چند اشعار اب بھی غائب ہیں لیکن اس نقص کے باوجود جو مجبوری ہے جب تک کوئی اور نسخہ اس مثنوی کا دریافت نہ ہوجائے،اگر ان دونوں نسخوں کو ملا دیا جائے تو مثنوی مکمل ہوجاتی ہے۔مولوی صاحب کو نسخہء ثانی کے اشعار الحاقی ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہوا کہ انھیں بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آیا کہ کوئی شخص ۹۷۲ھ میں زندہ ہو اور شعر کہہ رہا ہو، وہ ۱۰۴۰ھ میں بھی زندہ ہو اور شعر کہتا رہے۔"(۱۰)

"دیوان حسن شوقی" کے مقدمے کا جائزہ لیا جائے تو ڈاکٹر جمیل جالبی کا طریقہء تحقیق وتدوین واضح

ہو جاتا ہے۔دیوان حسن شوقی کی اشاعت سے پہلے حسن شوقی کا کچھ کلام اگر چہ منظر عام پر آچکا تھا لیکن اس کی سوانح کے بارے میں کچھ خاص معلومات دستیاب نہ تھیں ۔مولوی عبدالحق نے ''قدیم اردو'' میں لکھا ہے:
''۔۔۔۔افسوس ہے کہ اس کا حال مجھے کسی تذکرے میں نہیں ملا لیکن اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ اپنے زمانے کے مشہور شعرا میں سے تھے۔''(۱۱)

حسن شوقی کے کلام سے ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس کے نام اور تخلص کے متعلق اشعار کی طرف اس طرح توجہ دلائی ہے:''فتح نامہ نظام شاہ'' کے آخر میں یہ الفاظ ملتے ہیں 'مرتب شد فتح نامہ نظام شاہ' گفتار حسن شوقی 'اور ''میزبانی نامہ'' کے ترقیمہ میں 'مرتب شدہ میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ گفتار حسن شوقی' کے الفاظ ملتے ہیں۔ ایک اور مخطوطے میں 'شیخ حسن شوقی مرید آنحضرت تاریخ وصال آں قطب دائرہ کمال را چنیں گفتہ کہ قطب آخر الزماں' کے الفاظ ملتے ہیں ان شواہد کی روشنی میں شیخ حسن نام اور شوقی تخلص ٹھہرتا ہے۔''(۱۲)

حسن شوقی کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا تعین کسی تذکرے میں نہیں کیا گیا۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے حسن شوقی کی مثنوی ''فتح نامہ نظام شاہ'' کو مدنظر رکھ کر تاریخ پیدائش کا تعین اس طرح کیا ہے۔''فتح نامہ نظام شاہ'' کے اشعار میں حسن شوقی نے مدح کے جو اشعار لکھے ہیں ان سے بھی واضح ہوتا ہے جب شوقی نے مثنوی لکھی تو حسین نظام شاہ زندہ تھا کیونکہ مدح زندہ شخصیات ہی کی لکھی جاتی ہیں۔اگر حسن شوقی ۹۷۲ھ میں زندہ نہ ہوتا کئی سال بعد یہ مثنوی لکھتا تو اس مثنوی کا نام ''فتح نامہ نظام شاہ'' کی بجائے جنگ تالی کوٹ رکھتا۔ڈاکٹر جالبی نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے درج ذیل تاریخی حقائق ،مقدمے میں شامل کیے ہیں:''فتح احمد نگر کے گیارہ دن بعد حسین نظام شاہ روز چہار شنبہ،ہفتم ذیقعد ۹۷۲ھ کو مر گیا، 'آفتاب دکن شد پنہاں' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔حسین شاہ نظام بحری بھی وفات پا گیا اور یہ فتح نامہ اسی سال لکھا گیا اور بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔''(۱۳)

حسین نظام شاہ کے ۹۷۲ھ انتقال کے متعلق ڈاکٹر جالبی کے دعوے کی تصدیق تاریخ فرشتہ سے بھی ہوتی ہے۔''حسین نظام شاہ بھی احمد نگر پہنچا۔عیش و عشرت کی زیادتی کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہونے لگی وہ سخت بیمار ہوا اور احمد نگر میں آنے کے گیارہ روز بعد اس کا انتقال ہو گیا۔اس نے پورے گیارہ سال احمد نگر پر حکمرانی کی۔''(۱۴)

فتح نامہ نظام شاہ'' حسین نظام کی وفات یعنی ۹۷۲ھ کے بعد لکھی جاتی تو حسن شوقی جیسا قادرالکلام شاعر یہ شعر ہرگز نہ کہتا:

سدا جیوے راجے راج کر | لیے لگ دنیا نت نوے کاج کر
مبارک ظفر آسمانی اچھو | تجھے فتح نصرت سبحانی اچھو

ڈاکٹر جمیل جالبی نے حسن شوقی کے عہد کا تعین کرنے کے لیے حسن شوقی کی تخلیقات سے داخلی شواہد پیش کیے ہیں،اس حوالے سے یہ دلائل قابل ذکر ہیں:

''۔۔۔عادل شاہی سلطنت کی کسی تاریخ میں حسن شوقی کا نام نہیں ملتا۔دوسرے جنگ تالیکوٹ کی فتح کے موقع پر جس میں علی عادل شاہ اوّل، علی برید شاہ، حسین نظام شاہ اوّل اور ابراہیم قطب شاہ متحد ہو کر جیانگر کے راجہ رام سے لڑے تھے اور اسے شکستِ فاش دے کر جیانگر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا۔حسن شوقی نے ''فتح نامہ جنگ تالیکوٹ'' نہیں لکھا بلکہ اسے ''فتح نامہ نظام شاہ'' کا نام دیا۔اگر وہ کسی اور دربار سے وابستہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ نظام شاہ کو اصل فاتح جنگ قرار دیتا۔۔۔پھر اس مثنوی کے زبان و بیان پر بیجاپور کا ادبی اسلوب غالب نہیں بلکہ اس میں فارسی اسلوب و آہنگ کا اثر نمایاں ہے۔''(۱۵)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے دیے گئے دلائل کی صداقت اس بات سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ ۱۶۳۳ء میں ہوا تھا جس کے بعد حسن شوقی عادل شاہی سلطنت چلا گیا۔اس بات کی تصدیق حسن شوقی کی دوسری مثنوی میزبانی نامہ سے بھی ہوتی ہے اس مثنوی میں سلطان محمد عادل شاہ کی شادی کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس مثنوی کے ترقیمے میں تحریر ہے کہ ''مرتب شدہ میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ گفتار حسن شوقی''(۱۶)

ڈاکٹر جالبی کی تحقیق کے مطابق جنگ تالیکوٹ کے وقت حسن شوقی کی عمر پچیس برس ہو سکتی ہے۔ مثنوی کے مطالعے سے ڈاکٹر جالبی کے اس دعوے کی تصدیق ہوئی ہے کہ جنگ تالیکوٹ کے وقت نہ صرف حسن شوقی زندہ تھا بلکہ اس قدر باشعور ہو چکا تھا کہ جنگ کے واقعات لکھنے کے ساتھ ساتھ اس نے جہانگیر کی شان و شوکت کا مشاہدہ بھی کر رکھا تھا۔ان شواہد کے پیش نظر جالبی کا یہ دعویٰ درست معلوم ہوتا ہے، نسخہ ثانی ۱۰۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے اور الحاقی اشعار سے پاک ہے۔

حسن شوقی کے حالات زندگی کسی تذکرے میں موجود نہیں ہیں۔ڈاکٹر جالبی نے حسن شوقی کی وفات کے یقین کے لیے نشاطی کی مثنوی ''پھول بن'' کے اس شعر سے استفادہ کیا ہے

حسن شوقی اگر ہوتے تو فی الحال ہزاراں بھیجتے رحمت مجہ اُپر ال (۱۷)

اس حوالے سے ڈاکٹر جالبی استدلال کرتے ہیں:

''شاہ حبیب اللہ کے انتقال کے وقت ۱۰۴۱ھ میں حسن شوقی نے ''قطب آخرالزماں'' کے الفاظ سے ان کی تاریخ وفات نکالی تھی۔گویا ۱۰۴۱ھ تک شوقی زندہ تھا۔اگر جنگ تالیکوٹ کے وقت اس کی عمر پچیس، چھبیس سال مان لی جائے تو ۱۰۴۱ھ میں اس کی عمر ۹۳،۹۴ سال ہو سکتی ہے اور اتنی عمر تک کسی شخص کا زندہ رہ جانا بعید از قیاس نہیں۔اس طرح حسن شوقی کا سن ولادت تقریباً ۹۴۸ھ بنتا ہے اور اس کی وفات کا سن ۱۰۴۲ھ اور ۱۰۵۰ھ کے درمیان متعین کیا جا سکتا ہے۔''(۱۸)

دیوان حسن شوقی میں دوسری مثنوی 'میزبانی نامہ'' ہے۔مثنوی 'میزبانی نامہ' میں سلطان محمد کی شادی سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر جالبی نے مولوی عبدالحق، ڈاکٹر محی الدین زور، نصیرالدین ہاشمی۱۷ اور حسینی شاہد (۱۹)

سے اختلاف کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ''میزبانی نامہ'' میں سلطان محمد کی جس شادی کو موضوع سخن بنایا ہے وہ مصطفیٰ خان کی بیٹی سے ہوئی تھی اس بیان کی تصدیق کے لیے درج ذیل سرخی درج کی ہے:

''دربیان مہمانی کردن سلطان محمد عادل شاہ راؤ داون جہیز دختر نواب مظفر خان'' (۴۰)

میزبانی نامہ ۲۱۴ اشعار پر مشتمل ہے اور اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدا میں حمد و مدح سلطان محمد ملتی ہے اور باقی تین حصوں کے عنوانات درج ذیل ہیں:

- مجلس آراستن و بخشش کردن سلطان محمد مردماں را اور میزبانی خود
- دربیان شہر گشت سوار شدن سلطان محمد عادل شاہ
- دربیان مہمانی کردن سلطان محمد عادل شاہ راہ داون جہیز دختر نواب مظفر خان

مقدمے میں ڈاکٹر جالبی نے ''میزبانی نامہ'' میں درج واقعات بیان کیے ہیں بلکہ اس مثنوی کے فکری وفنی محاسن پر بھی اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ ''مثنوی میزبانی نامہ'' کو اس حوالے سے اہم قرار دیتے ہیں کہ اس مثنوی میں حسن شوقی نے اپنے دور کے رسم ورواج، عادات واطوار، طور طریقے، ادب آداب، کھانے پینے اور اوڑھنے کے ڈھنگ، آرائشی سامان، ظروف، ناچ گانے کی محافل اور باراتوں کے اہتمام اور جہیز سے متعلق عمدہ معلومات فراہم کی ہیں گویا یہ مثنوی اپنے دور کے معاشرتی، معاشی اور مذہبی حالات کی آئینہ دار ہے۔

''میزبانی نامہ'' اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس مثنوی میں شوقی کا قلم زور تخیل دکھاتا ہے اور واقعات کی عکاسی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ ڈاکٹر جالبی ''میزبانی نامہ'' کو اس کے فارسی اسلوب کی وجہ سے ''فتح نامہ نظام شاہ'' سے مختلف قرار دیتے ہیں۔ بقول جالبی: ''جب ہم 'میزبانی نامہ' کا مقابلہ 'فتح نامہ' سے کرتے ہیں تو فتح نامہ پر ہندی اسلوب کا اثر نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے اور میزبانی نامہ میں فارسی اسلوب وآہنگ۔'' (۴۱)

'میزبانی نامہ' میں حسن شوقی کی قافیہ پیمائی کو ڈاکٹر جمیل جالبی بہتر قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تلفظ اور املا کے لحاظ سے بھی یہ ''فتح نامہ'' سے بہتر ہے۔ ''میزبانی نامہ'' کے حوالے سے ڈاکٹر جالبی حسن شوقی کی شاعری کی اس خوبی کے بھی معترف نظر آتے ہیں کہ اس مثنوی میں اس نے خیال واحساس کو لفظوں کے ذریعے بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ لفظوں کی جھنکار اور تکرار سے کلام میں موسیقیت پیدا کی گئی ہے مثلاً درج ذیل اشعار

''طبل کی آواز سنیے

طبل ڈھول جم جم کریں دھمد ھاٹ

فرنگیاں و تالاں کیرا کڑکڑات

رقاصاؤں کی تیزی اور سرعت رفتاری دیکھیے

بھمیریاں بھمیں یوں نہ پھرکیاں پھریں'' (۴۲)

حسن شوقی کے مقدمے کا ایک اہم حصہ دکنی اور اردو غزل کی روایت کا مطالعہ کرتے ہوئے حسن شوقی کے مقام اور مرتبے کا تعین ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جالبی نے حسن شوقی کے کلام کا درج ذیل پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے:

- شوقی سے متاثر شعرا کے کلام کی تلاش
- شوقی کے بعد آنیوالے شعرا پر شوقی کی غزل کے اثرات
- شعرا کا حسن شوقی کے کلام سے متعلق نقطہ نظر

ڈاکٹر جالبی نے جن شعرا کے کلام سے حسن شوقی کے کلام کا موازنہ کیا ہے ان میں فیروز، ملا خیالی اور محمود شامل ہیں۔ ان تمام شعرا کی ایسی غزلیات جو ایک ہی زمین میں لکھی گئی ہیں ان کے مطالعے مقدمے میں درج کیے ہیں۔ مثلاً فیروز کی غزل کا مطلع:

سرو قدت سہاوے جو نو بہار بن میں   نازک نہال پنجیا اس جیو کے چمن میں

ملا خیالی کی غزل کا مطلع:

بالی سروپ سودھن جوں پوتلی نین میں   صاحب جمال ایسے سکھے نہ کوئی لگہن میں

حسن شوقی کی غزل:

جو بن سوں قد سہاوے لٹکے جو دھن اگن میں   جو پھول پریاں سوں ڈالی دتی ہے جیو چمن میں

ان تینوں کی غزل میں قافیہ اور ردیف یکساں ہے۔ بقول جالبی:

> ''ان تینوں غزلوں کو ایک ساتھ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں شاعر مزاج کے اعتبار سے، رنگ وادب کے اعتبار سے، احساس وفکر کے اعتبار سے ایک ہی روایت کے حامل ہیں اور غزل کا یہی وہ رنگ اور زبان واسلوب کا یہی ڈھنگ تھا جو اس دور میں نیا اور منفرد تھا اور جس کی وجہ سے ان کی استادی کی دھوم سارے دکن میں مچ گئی۔'' (۲۳)

جالبی صاحب اس حوالے سے شوقی کو دیگر شعرا پر برتری دیتے ہیں کیوں کہ انھوں نے صنائع وبدائع، تجنیس لفظی اور حسن تعلیل کو غزل کا جز و بنایا گویا قدیم غزل کو جدید رنگ وآہنگ دیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے جن شعرا پر حسن شوقی کے اثرات تلاش کیے ہیں ان میں اشرف، نائب، رحیمی، قریشی اور یوسف شامل ہیں۔ بقول جالبی: ''شوقی کی غزل میں مشتاق، لطفی، محمود، فیروز اور خیالی کے اثرات نئے روپ میں ڈھلتے ہیں اور پھر یہ نیا روپ شاہی، نصرتی، ہاشمی، اشرف، سالک، یوسف، نائب، قریشی اور ایسے بہت سے دوسرے نا معلوم گمنام شعرا کے پاس سے ہوتا ہوا ولی کی غزل میں رنگ جماتا ہے۔'' (۲۴)

جن دکنی شعرا نے حسن شوقی کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کیا ہے ان میں ابن نشاطی، اشرف اور ولی شامل ہیں۔ ان کے اشعار کو جالبی نے مقدمے کا حصہ بنایا ہے جن میں شوقی کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، جالبی کے اس کارنامے کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دیوان حسن شوقی'' ڈاکٹر جمیل جالبی کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی بدولت ان گمنام شعرا کو منظر عام پر لایا گیا جو وقت کی گرد میں دب گئے تھے ۔اس کاوش کے سبب اردو ادب کے گم شدہ سلسلوں کی دریافت کا عمل شروع ہوا اور اردو ادب کی روایت بامعنی تسلسل کے ساتھ پھر سامنے آتی ہے اس کے علاوہ اس کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کیونکہ انھوں نے مستند اور بنیادی مآخذ سے اس کے حالات اور کلام کی تہذیب کی ۔خاص طور پر شاعر کے کلام اور اس کی زبان وبیان کا مطالعہ اس عہد کے تہذیبی ، سیاسی ، سماجی اور تاریخی احوال کی روشنی میں قلمبند کیا ہے۔''(۴۵)

''دیوان حسن شوقی'' کے مقدمے کا ایک اہم حصہ شوقی کے کلام کا لسانی مطالعہ ہے ۔انھوں نے حسن شوقی کے کلام میں ماضی مطلق ،صرفی ونحوی صورت ،اسم صفت ،اسما کی جمع بنانے ،مصدر ،اسم فاعل ،حروف جار اور اسمائے مؤنث کی جمع فاعل وغیرہ کے حوالے سے کلام میں جو تبدیلیاں کی ہیں ان کا ذکر کیا ہے اور مثالوں سے واضح کیا ہے ۔ضمائر کے حوالے سے ضمائر کے ارتقائی مراحل درج ذیل صورتوں میں شوقی کے کلام ہمارے سامنے آتے ہیں:

متکلم: میں، مجہ، مجے، میرا (واحد)

ہمن، ہمنا (جمع)

دکنی اردو میں ''ہائے'' کی آواز کو حذف کر دیا جاتا ہے ۔شوقی کے کلام میں بھی ''ہائے'' محذوف صورت میں سامنے آتا ہے مثلاً سیرے (سنہرے)، روپیرے (روپہرے) مجے (مجھے) تجے (تجھے)، پین (پہن)، سیڑیاں (سیڑھیاں)، دیک (دیکھ) وغیرہ ۔جمع بنانے کے قاعدے کے حوالے سے شوقی کے کلام میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اگر فاعل جمع مؤنث ہے تو فعل بھی جمع مؤنث ہوگا جو قدیم اردو میں عام رجحان نظر آتا ہے ۔مثلاً:

خوشی خرمی میں اوبلتیاں چلیاں

اکھرتیاں و پھرتیاں اوچھلتیاں چلیاں

افعال معاون اور حروفِ ربط کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ہے۔ اہے۔ اہیں وغیرہ
- تا۔ اتھا۔ اتھے۔ اتھار وغیرہ
- تھا۔ تھیا۔ تھیاں وغیرہ
- اچھو۔ اچھے۔ اچھیں وغیرہ

ڈاکٹر جالبی نے ''لسانی مطالعے'' کے آخر میں ''میزبانی نامہ'' کے سو اشعار کا سندھی زبان سے موازنہ

کیا ہے اور ایسے لفظوں کی نشاندہی کی ہے جو ان کے مطابق سندھی زبان سے متعلق ہیں۔مثلاً:

نانوں، سٹن، ماڑیاں، مڑے، وتے

پھیارے، کنگ، پھل، سکال، ہتھ

سریا، چکالے، دکال، چھپے، لپے

چند الفاظ درج ذیل ہیں جو سندھی زبان سے متعلق ہیں:

سٹن:	سندھی میں مارنا،ختم کرنا
ماڑیاں:	ماڑی کی جمع
کنگ:	شامیانے کے معنی میں سندھی میں مستعمل ہے
سکال:	اچھا زمانہ
سریا:	سرن (سندھی) ملنا، حاصل ہونا
ہتھ:	ہاتھ
پُھل:	پھول
رتڑے:	رنگے ہوئے کپڑے
سچلی:	سچ مچ
سٹیا:	سٹن۔چھوڑنا۔پھینکنا

ڈاکٹر جمیل جالبی نے 'میزبانی نامہ' کے ابتدائی سو اشعار میں سے سندھی زبان کے مشترک الفاظ کو جدا کیا ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی ان الفاظ کو محض سندھی الفاظ قرار دینے کے خلاف ہیں۔انھوں نے اپنے مضمون ''دیوان حسن شوقی'' میں پنجابی کے چند الفاظ درج کیے ہیں۔مثلاً سٹن، ماڑیاں، مڑے، وتے، پھل، سکال رے، سریہ، پلئے، بھوئیں، سالو، ہتھ، رتڑے، سچلی، گاچتے، دوہڑے، ڈیوٹیاں، سٹیا' وغیرہ۔

ڈاکٹر وحید قریشی اعتراض کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو کے لسانی مطالعے میں سندھی زبان کو پیش نظر رکھا ہے۔پنجابی کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے لیکن اسے بہت دور تک لے جا کر نہیں دیکھا اس لیے ان بعض آرا سے جزوی اختلاف ممکن ہے۔یہ درست ہے کہ پنجابی اور سندھی میں ساخت کے اعتبار سے بعض عناصر مشترک ہیں لیکن جالبی صاحب اسے صرف سندھی سے مخصوص کرتے ہیں حالانکہ پنجابی بھی اس عنصر سے خالی نہیں۔'' (۲۶)

ڈاکٹر وحید قریشی کے اس اعتراض کا جائزہ اگر ڈاکٹر جمیل جالبی کے مؤقف کے حوالے سے لیا جائے تو یہ اعتراض درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ زبان کے لسانی مطالعے میں کلام کی صرف ونحوی خصوصیات کو بیان

کرتے ہوئے انھوں نے اس بات کی نشاندہی کردی ہے کہ کون سی خصوصیت حسن شوقی کے کلام پر کس زبان کی وجہ سے ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کا موقف ہے: ''اس فہرست سے میرا منشا صرف یہ دکھانا ہے کہ اردو زبان کا ذخیرہ، الفاظ عربی، فارسی، ترکی کے ساتھ ساتھ برصغیر کی ہر زبان کے ساتھ اس طور پر مشترک ہے کہ یہ زبان کم و بیش سب زبانوں کی زبان بن جاتی ہے۔''(۲۷)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے حسن شوقی کے کلام میں جن خصوصیات کی نشاندہی کی ہے ان میں حرف عطف ''وٴ'' کا کثرت سے استعمال فارسی و ہندی الفاظ کے مطابق اضافت کا استعمال، حرف اضافت کی بجائے ''ے'' کا استعمال، الفاظ میں ''ھ'' یا ''ہ'' کو محذوف کرنا، واؤ معروف کی پوری آواز کی بجائے پیش کا استعمال، مروجہ تلفظ اور ضرورت شعری کے مطابق متحرک الفاظ کو ساکن اور ساکن کو متحرک باندھنا، ضرورت شعری کے مطابق ناموں کو توڑنا موڑنا، ہندی طریقے سے مرکبات بنانا اور درست قافیہ پیمائی شامل ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے حسن شوقی کے کلام کے املا اور رسم الخط کا جائزہ بھی لیا ہے۔ڈاکٹر جالبی نے قدیم اردو اور جدید اردو کے املا کے فرق کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔حسن شوقی کے کلام میں ڈاکٹر جالبی نے ''ہ'' اور ''ھ'' کو بدلا ہے تا کہ قارئین کو پڑھنے میں آسانی ہو۔قدیم اردو میں الفاظ کو ملا کر لکھا جاتا تھا، جالبی صاحب نے الفاظ کو الگ الگ لکھا ہے۔قدیم متون کی تدوین کے وقت ایک اہم مرحلہ املا کا تعین بھی ہے۔محققین میں اس سلسلے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں آیا نسخہ مرتب کرتے ہوئے املا تبدیل کردیا جائے۔ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب 'تحقیق کا فن' میں ڈاکٹر سید مبارز الدین کی رائے درج کی ہے:

''بعض الفاظ کا املا ان کے قدیم متون میں، ان کے اس وقت کے تلفظ کے مطابق لکھا گیا ہے۔آج ان کا املا مروجہ املا کے مطابق ہوجائے گا لیکن تلفظ وہی رہے گا مثلاً دکنی میں صورت کو ''صرت'' اور امام کو ''امم'' کے تلفظ کے ساتھ نظم کیا گیا ہے۔اب اسے متن کی ترتیب کے وقت ان کا املا ''صورت'' اور ''امام'' ہی رکھا جائے لیکن حاشیہ میں تلفظ کو بر وزن شکل [کذا، فعل؟] لکھ کر ظاہر کردیا جائے گا۔''(۲۸)

عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں: ''متن تیار کرتے ہوئے وقت املا کا خیال رکھنا ضروری ہے یعنی املا وہی ہوگی جو اس عہد میں رائج تھی۔''(۲۹)

ڈاکٹر تنویر علوی کے مطابق: ''قدیم متون کا املا ان کے رائج الوقت املا ہی کے مطابق ہونا چاہیے۔جدید املا میں ان کو پیش کرنا حقائق سے رشتہ توڑنا ہے۔''(۳۰)

ڈاکٹر گیان چند کی تجویز ہے:

''الف: جن مقامات پر مخطوطے کا املا موجودہ تلفظ سے کوئی فرق ظاہر نہیں کرتا بلکہ محض فرسودگی، املا ہے وہاں جدید املا اختیار کیا جائے مثلاً اوس، فرسنگ، خوشے، ساتہی کو بالترتیب اس، فرسنگ، خوشی، ساتھی لکھا جائے۔

ب: جن مقامات پر فرسودہ املا کسی فرسودہ تلفظ کی ترجمانی کرتا ہے اور جسے بدلنے میں مصنف کا پیش کردہ تلفظ بدل

جائے گا وہاں مخطوطے کے اصل املا کو برقرار رکھا جائے ۔مثلاً کوں، سوں، کبھو، جد، تد، تلپھنا کو جدید کر کے کو، سے جب، تب تڑپنا، ہرگز نہ لکھا جائے ۔" (۳۱)

جبکہ رشید حسن کے مطابق: "مخطوطے میں واقعی املا کے پیچھے منشائے مصنف کی تلاش کیجیے اگر چہ اس نے "ی" کو یائے مجہول سے "کے" لکھا ہے تو بھی اس کا منشا "کی" لکھنے کا تھا ۔اس لیے آج ہم اسے "کی" ہی لکھیں گے اگر اس نے گھر کو "گہر" لکھا ہے تو ہم جانتے ہیں کہ اس کا منشا "گھر" لکھنے کا تھا ۔" (۳۲)

ان تمام محققین کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیا جائے تو ڈاکٹر گیان چند جین کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنا مشکل ہے ۔مذکورہ املا کی جگہ جدید املا درج کرنا اور منشائے مصنف کا خیال رکھنا زیادہ بہتر طریقہ ہے ۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے املا کے حوالے سے اس خیال کو پیش نظر رکھا ہے کہ زیادہ تر الفاظ کا املا اصل املا کے مطابق رہنے دیا ہے جبکہ قارئین کی سہولت کا بھی خیال رکھا ہے ۔ایسے الفاظ کا املا درست کیا ہے جو ان کے خیال میں اس وقت بھی صحیح نہیں مانے جاتے ہوں گے جیسے غوص اعظم کو غوث اعظم کردیا ہے اور ہجرت کو ہجرت اور نصل کو نسل کردیا ہے ۔ڈاکٹر وحید قریشی ڈاکٹر جمیل جالبی کی اس بات سے متفق نہیں ہیں کہ مذکورہ الفاظ اس زمانے میں بھی درست نہیں مانے جاتے ہوں گے، وہ لکھتے ہیں:

> "مجھے ڈاکٹر جالبی کی اس بات سے اختلاف ہے کہ یہ لفظ اس زمانے میں صحیح نہیں مانے جاتے ہوں گے کیونکہ بعض صاحبِ علم کاتبوں کے ہاں بھی یہ عمل جاری دکھائی دیتا ہے ۔میرے نزدیک اسے ایک فطری لسانی عمل قرار دینا مناسب ہوگا ۔" (۳۳)

ڈاکٹر وحید قریشی کا اعتراض درست معلوم ہوتا ہے ۔ان الفاظ کو غلط کہنے کی بجائے املا کا ارتقائی عمل قرار دیا جا سکتا ہے ۔الفاظ میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں ۔مثنوی میں اسے بہت سے الفاظ ہیں جنھیں محض کاتب کی غلطی قرار نہیں دے دیا جا سکتا، جیسے:

اندرصبا	اندرسبھا
آنک	آنکھ
سد	صد
لاکہ	لاکھ
لکہ	لکھ
بچہ	بیچ

ڈاکٹر جمیل جالبی نے تقریباً ۲۱۱ الفاظ کی فہرست مرتب کی ہے جس میں الفاظ کے قدیم اور جدید املا کی وضاحت کی گئی ہے ۔مقدمے کے اختتام میں "ترتیب کے بارے میں" کے عنوان کے تحت ڈاکٹر جالبی "دیوان حسن شوقی" کی ترتیب کے حوالے سے وضاحت کی ہے ۔مثلاً نسخہ اوّل اور نسخہ ثانی کے اشعار کے اختلاف کو حاشیے میں بیان کرنا، تسلسل قائم رکھنے کے لیے نسخہ ثانی کے اشعار کو نسخہ اول کے اشعار سے ملانا اور اختلافِ متن

کو حاشیے میں بیان کرنا، دونوں نسخوں میں موجود مشترک اشعار پر ''صہ'' کا نشان لگانا، ترقیموں کو مخطوطات کے تعارف میں شامل کرنا، دیگر محققین کی دریافت کردہ حسن شوقی کی غزلوں کے اختلافات کو حاشیے میں بیان کرنا شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں ڈاکٹر جالبی نے ایک طویل فرہنگ دی ہے اس فرہنگ کو جالبی صاحب نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی معترض ہیں کہ اس فرہنگ میں بعض مقامات تصحیح طلب ہیں ان کے مطابق بعض الفاظ کے معنی غلط درج کیے گئے ہیں جبکہ بعض الفاظ کے معانی متعین ہی نہیں کیے گئے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے لفظوں کی بعض املائی صورتوں کو بھی فرہنگ کا حصہ بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کے مطابق انھیں فرہنگ کا حصہ نہیں ہونا چاہیے الفاظ کے معانی مزید غور کا تقاضا کرتے ہیں مثلاً: ''اڑ کا معنی غرور دیا ہے، ہٹ اور ضد کے معنوں میں اب بھی رائج ہے، انڈڑیاں کا مطلب انڈے دیا ہے، حالانکہ چھوٹے انڈوں کو انڈ ڑیاں کہتے ہیں، بالن کا مطلب جلانا دیا ہے۔ بالنا کا مطلب جلانا تو ہے لیکن بالن جلانے کی لکڑی کہتے ہیں۔''(۳۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے نہایت عرق ریزی سے ''دیوان حسن شوقی'' کو ترتیب دیا ہے۔ ان کا تحقیقی طریقہ کار استدلال پر مبنی ہے۔ دلائل کی ترتیب میں انھوں نے خاص طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ انھوں نے قیاسی اور غیر یقینی دلیلوں کو پہلے اور حتمی دلائل کو بعد میں جگہ دی ہے دیوان حسن شوقی میں بھی انھوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دیے گئے دلائل کے مطابق ان کی بات سے اتفاق نہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''دیوان حسن شوقی'' کی تدوین سے دکنی ادب کی گمشدہ کڑیوں کو دریافت کرنے کی روایت کے تسلسل کو آگے بڑھایا۔ ''دیوان حسن شوقی'' ہمیں اس دور کی مذہبی، معاشی، معاشرتی اور حکومتی امور سے واقفیت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس دور کے املا، زبان کے ارتقائی مراحل، اس دور کے مروجہ اسلوب اور غزل کے مزاج سے بھی واقفیت فراہم کرتا ہے۔ ''دیوان حسن شوقی'' کی بدولت اردو ادب گمنام شعرا مثلاً فیروز، محمود، خیالی، سالک، اشرف، رحیمی، قریشی اور نائب سے واقف ہوا۔ تدوین متن کے حوالے سے ''دیوان حسن شوقی'' ایک قابل ستائش کوشش ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے مقالہ ''حیدرآباد دکن میں اردو تحقیق کی روایت''، مقالہ نگار، طارق محمود، بہاالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۷ء

(۲) ڈاکٹر محمد علی اثر، 'ڈاکٹر جمیل جالبی اور دکنی ادب کی تحقیق'، مشمولہ 'ارمغان'، شمارہ نمبر ۳ (اپریل، مئی جون ۹۶ء) کراچی، ص ۱۰۶

(۳) ایضاً ص ۱۰۷

(۴) مولوی عبدالحق، 'قدیم اردو'، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۱ء

(۵) رسالہ 'اردو' کراچی، اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۱۴۔ مشمولہ دیوان حسن شوقی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۱ء، ص ۱۔

(٦) 'قدیم اردو' جلداوّل، مرتبہ، مسعود حسین خان، دکن، ص۵۱۲_۵۲۰، مشمولہ دیوانِ حسن شوقی، ایضاً

(۷) 'دیوان حسن شوقی'، مرتبہ، جمیل جالبی، ایضاً، کراچی۔ ص۱

(۸) ڈاکٹر وحید قریشی، 'دیوان حسن شوقی'، مشمولہ، 'ڈاکٹر جمیل جالبی۔ایک مطالعہ'، دہلی ایجوکیشنل پبلشنگ هاؤس، دہلی نمبر۲، باراول، ۱۹۹۳ء، ص۲۶۳

(۹) مولوی عبدالحق مرحوم ۱۹۲۹ء میں شائع کردہ نسخہ اوّل کو مکمل سمجھتے ہیں۔دوسرے نسخے کو ناقص تصور کرتے ہیں کیوں کہ ناقص نسخے کے آخر میں اشعار زائد ہیں۔ان میں فتح نامہ کا سن بھی دیا ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے قدیم اردو از مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۶۱ء، ص۷۴، ۷۵

(۱۰) 'دیوان حسن شوقی'، مرتبہ، جمیل جالبی، ص۷

(۱۱) مولوی عبدالحق، قدیم اردو، انجمن ترقی اردو، کراچی، س ن، ص۷۴

(۱۲) 'دیوان حسن شوقی'، مرتبہ، جمیل جالبی، ص۴

(۱۳) ایضاً، ص۱۲

(۱۴) محمد قاسم فرشتہ، 'تاریخ فرشتہ'، جلد سوم، چہارم، ص۲۲۱

(۱۵) 'دیوان حسن شوقی'، مرتبہ، ڈاکٹر جمیل جالبی، ص۵

(۱۶) ایضاً، ص۴ (۱۷) ایضاً، ص۱۴ (۱۸) ایضاً، ص۱۴

(۱۹) تفصیل کے لئے دیکھئے، قدیم اردو از مولوی عبدالحق، ص۸۶، اردو شہ پارے ۱۹۲۹ء، ص۱۰۲، "دکن میں اردو"، ص۵۹، کراچی ۱۹۶۰ء اور قدیم اردو مرتبہ مسعود حسین خان، جلد اوّل

(۲۰) 'دیوانِ حسن شوقی'، مرتبہ، ڈاکٹر جمیل جالبی، ص۲۴

(۲۱) ایضاً، ص۲۸ (۲۲) ایضاً، ص۲۹ (۲۳) ایضاً، ص۳۷ (۲۴) ایضاً، ص۴۸

(۲۵) ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، 'ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن'، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص۷۹

(۲۶) ڈاکٹر وحید قریشی، 'دیوان حسن شوقی'، مشمولہ، 'ڈاکٹر جمیل جالبی۔ایک مطالعہ'، ص۲۲۵

(۲۷) 'دیوان حسن شوقی'، مرتبہ، جمیل جالبی، ص۶۱

(۲۸) ڈاکٹر گیان چند جین، 'تحقیق کا فن'، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۰۶ء، ص۴۳۴

(۲۹) عبدالرزاق قریشی، 'مبادیات تحقیق'، انجمن اسلام اردو۔ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی، ۱۹۴۸ء، ص۹۲

(۳۰) ڈاکٹر تنویر علوی، 'اصول تحقیق و ترتیب متن'، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص۲۸۳

(۳۱) ڈاکٹر گیان چند جین، 'تحقیق کا فن'، ص۴۳۵ (۳۲) ایضاً، ص۴۳۶

(۳۳) ڈاکٹر وحید قریشی، 'دیوان حسن شوقی'، مشمولہ، 'ڈاکٹر جمیل جالبی۔ایک مطالعہ'، ص۲۹۲

(۳۴) ایضاً، ص۲۶۷